فرشتہ اور ابوالفضل نے بھی کشمیر کے ان رشیوں کا ذکر کیا ہے اور انہیں متقی اور پرہیزگار بیان کیا ہے ابوالفضل نے لکھا ہے کہ یہ رشی وادئ کشمیر کے دور افتادہ علاقوں میں رہتے ہیں۔ اور اپنا وقت یاد الٰہی میں صرف کرتے ہیں مشہور سیاح جی۔ ٹی۔ وگنی (G. T. WIGNE) نے سکھ عہد میں کشمیر کا سفر کیا تھا۔ اس نے بابا سعید سے ملاقات کی۔ وگنی نے لکھا ہے کہ بابا سعید نے کشمیر کے سکھ صوبیدار کو ملنے سے انکار کر دیا تھا بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار کشمیر کا ڈوگرہ حکمران مہاراجہ پرتاپ سنگھ (۱۸۸۵ء تا ۱۹۲۵ء) شاہ عبدالرحیم صفاپوری کو ملنے کے لئے گیا اور رشی سے پوچھا کہ وہ (مہاراجہ) ان کی کیا خدمت کرے؟ آپ نے ڈوگرہ حکمران کو جو جواب دیا وہ دیوجانس کلبی کی یاد تازہ کرتا ہے۔ (دیوجانس کلبی نے ایک ایسے سوال پر سکندر اعظم کو کہا تھا کہ ذرا ہٹ جاؤ تاکہ مجھے دھوپ آسکے) شاہ عبدالرحیم صفاپوری نے مہاراجہ سے کہا کہ وہ آیندہ ان کے پاس کبھی نہ آئے

وادئ کشمیر میں رشی سلسلۂ تصوف کا قیام اسلام پر بدھ مت اور شومت کے افکار و تصورات کا نتیجہ ہے پنڈت پریم ناتھ بزاز (مصنف "کشمیر میں تحریکِ آزادی کی تاریخ") نے اسے مذہبی انسان پرستی (RELIGOUS HUMANISM) کا نام دیا ہے۔ آپ مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ کشمیر میں اسلام کی آمد پر رجعت پسند برہمنوں نے احتجاج کیا مگر ان کی چیخ پکار صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ شومت پہلے ہی کشمیر کی سرزمین کو اسلام کی اشاعت کے لئے تیار کر چکا تھا۔ اسلام کے لئے برہمن مت کی مخالفت اور شومت کے فلاسفروں کی پسندیدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر میں ایک نیا متحرک اور مشترک کلچر پیدا ہوا جسے تصوراتی، جذباتی، یا مذہبی انسان پرستی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ کلچر اپنی اصلیت کے اعتبار سے مرکب ہے۔ اور اس مرکب میں اسلام اور شومت کے اعلیٰ حقائق اور بلند مقام ثقافتی اثرات شامل ہیں۔ (صفحہ ۸۲)

کشمیر کے رشیوں پر مہاتما بدھ کی تعلیمات اور بدھ مت کے طریق وعبادت کے اثر کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس طرح مہاتما بدھ نے خدا کی تلاش میں گھر بار کو تیاگ دیا تھا اسی طرح شیخ نورالدین نورانی نے بیوی بچوں اور گھر بار کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی اور یوگیوں کی طرح جسم و جاں پر اذیت ناک کیفیتیں طاری کیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ آخری عمر میں آپ نے فرمایا ؎

جنگلن کھس گیم خامی
رانیوم یہ چھو عبادت
ناچھیح حاصل گیم بدنامی
سوہ ایس کرن اکی کتھ

ترجمہ:۔ جنگلوں میں گھومنا پھرنا میری کمزوری تھی۔ میرا خیال تھا یہ عبادت ہے
اس سے تو خواہ مخواہ مجھے بدنامی ہوئی۔ (کہ شیخ نورالدین بہت بڑا پرہیزگار ہے) دراصل
مجھے تو ایک ہی بات معلوم کرنا تھی۔ (کہ میں کون ہوں اور میرا پیدا کرنے والا کون ہے)

ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی اپنی انگریزی تصنیف "کشمیر" (جلد اول صفحہ ۹۶) میں لکھتے ہیں کہ شیخ نورالدین رح، بابا نصیرالدین بابا بام الدینؒ، شیخ حمزہ مخدومؒ، سید احمد کرمانیؒ، سید محمد حصاریؒ، بابا زین الدینؒ، بابا لطیف الدین، بابا شکورالدینؒ، بابا حنیف الدینؒ، سعید بابا اور خواجہ حسن کرتی جیسے رشیوں اور بزرگوں نے سیرت و کردار کی مثالوں اور نیک ہدایتوں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کے لئے راستہ ہموار کیا۔ اور وہ بتدریج اور منظم طور پر ساری وادی کو اسلام کے دامن میں لے آئے۔

پروفیسر محب الحسن اپنی انگریزی تصنیف "کشمیر عہد سلاطین میں" میں لکھتے ہیں کہ صوفیوں نے کشمیر میں اسلام کی اشاعت کے کام میں اہم حصہ لیا۔ مزید برآں چونکہ تصوف میں سماجی مساوات کی طرف زیادہ رجحان تھا۔ اس لئے صوفیوں نے غریبوں اور امیروں کے درمیان پل (رابطہ) کا کردار ادا کیا۔ صوفیوں کی ذکر و فکر کی محفلیں محض مذہبی تقریبیں نہ تھیں بلکہ ان کا ایک سماجی فریضہ بھی تھا۔ ان محفلوں میں غریب اور امیر شریک ہوا کرتے تھے اور یوں افلاس اور فراوانی کے اختلافات مٹ جاتے تھے۔ یعنی ان محفلوں میں محمود و ایاز کی تفریق روا نہ رکھی جاتی تھی۔ صوفیوں نے ہمیشہ ظلم و تعدی کے خلاف آواز بلند کی اور حاکموں کو باور کرایا کہ منصف مزاج حاکم خدا کا مقرب ہوتا ہے اور ظالم حاکم کو روز محشر سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔
تاہم ان فیوض و برکات کے باوجود اہل تصوف نے معاشرہ میں رجعت پسندانہ کردار بھی ادا کیا۔ انہوں نے آخرت پر زور دے کر سکون اور فرار کے فلسفہ کو مقبول بنایا۔ کشمیر کے رشی اس فلسفہ کے بہترین نمائندے

قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن کشمیری تصوف میں غیر اسلامی رسمیں اور افکار و تصورات در آئے جس سے یہ مکتب فکر اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھا۔ درگاہیں اور خانقاہیں جن سے وادی اٹی پڑی تھی۔ اوہام اور بدقماشی کے مرکز بن گئیں۔ سادہ لوح عوام جو بزرگوں سے امداد طلب کرنے آتے تھے ان درگاہوں اور خانقاہوں کو پوجنے لگے

پروفیسر محب الحسن کی مندرجہ بالا رائے سے اتفاق کرنا ضروری نہیں تاہم اب حالات قطعاً بدل چکے ہیں ریاست جموں و کشمیر کے مسلمان گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے استبداد کے خلاف رزم آرا ہیں اور اسلامی اور قرآنی تصوف اور سنت رسول ان کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ریاست سے غیر اسلامی اقتدار ختم کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آگے بڑھ رہے ہیں اور انشا اللہ ایک دن اپنی عظیم جدوجہد میں کامران ٹھہریں گے۔

جس طرح گنگا جمنا کا دوابہ ہندو تہذیب کا منبع ہے، اسی طرح سندھ ساگر مسلم تہذیب کا معدن ہے اگر ہم ان دو عظیم الشان قطعات کا اپنے نظریہ پر سمجھوتہ کرا سکے۔ ان کی تالیف قلوب پر قادر ہو سکے تو اس لاینحل مشکل کی کلید مل جائے گی۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اسکندریہ میں حکماء کا ایک طائفہ نو فلاطونی پیدا ہوا تھا۔ اسی منہاج پر مسلمانوں میں کئی حکیم پیدا ہوئے، جن میں سے الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی اور شیخ الاشراق شیخ شہاب الدین السہروردی مشہور عالم ہیں۔
ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کے زمانہ سے صوفیہ کرام کی آمد شروع ہوئی سلطان شہاب الدین غوری کے بعد اس خاک سے تصوف کے چاروں طریقوں میں کثرت سے معرفت الٰہی میں کامل خادم انسانیت پیدا ہوئے وہ سب اسی حکمت اشراقی کے امام تھے۔ ان تمام ائمہ تصوف کا مرکزی فکر وحدت الوجود ہے۔ جو ویدانت فلاسفی کا اصل اصول ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس کی تہذیب و تکمیل سے انسانیت کی تشریح کی۔ اور اسے کتاب و سنت کا بطن بنایا۔ جیسا کہ ان کی معرکتہ الآرا کتاب حجتہ اللہ البالغہ اور ان کی فلسفی تصانیف البدور البازغہ اور التفہیمات الالٰہیہ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے۔

(مولانا عبید اللہ سندھی)

علمائے سندھ اور شاہ ولی اللہؒ کے علمی روابط

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی

عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ) کی غیر معمولی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں شاہ صاحبؒ دنیائے اسلام کے بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں اور آپ کے نام نامی سے علمی دنیا کا ہر شخص آگاہ ہے۔ آپ کو اپنے دور کے علماء پر نمایاں امتیاز حاصل تھا۔ بارہویں صدی ہجری کے ایک ملنے ہوئے اہل اللہ مرزا مظہر جانجاناں شہید آپ کے متعلق فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے مجھے روئے زمین کی ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح سیر کرائی، میں نے اپنے دور میں شاہ ولی اللہ صاحب جیسا کسی کو نہیں پایا" شاہ صاحبؒ نے اپنی تعلیمات اور علمی تصانیف کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمت سرانجام فرمائی جسے کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ موصوف ایک ہی وقت میں اپنی صدی کے مجدد، اسلام کے عظیم مفکر، جیّد محدث، مفسر، حکیم اور ربانی عالم تھے، آپ نے شریعت، طریقت، فلسفہ، تصوف اور جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں نئے انداز اور حکیمانہ طرز پر کلام فرما کر بعد میں آنے والوں کے لئے سوچنے کی نئی راہیں کھول دیں۔

ٹھیک اسی دور میں سرزمین سندھ بھی علم اور عرفان کا گہوارہ تھی۔ یہاں مخدوم ابوالقاسم نقشبندی، شاہ عبداللطیف تارک بھٹائی، مخدوم محمد معین ٹھٹوی، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی اور خواجہ محمد زمان لواری والے وغیرہم جیسے اولیاء اور برگزیدہ علماء موجود تھے جن کے فیوضات دور دراز ممالک تک پہنچ چکے تھے یہاں قدرتاً یہ سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا بارہویں صدی کے اس علمی دور میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سندھ کے افاضل

علمائے سندھ اور شاہ ولی اللہ کے علمی روابط

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی

عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ) کی غیر معمولی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں شاہ صاحبؒ دنیائے اسلام کے بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں اور آپ کے نام نامی سے علمی دنیا کا ہر شخص آگاہ ہے۔ آپ کو اپنے دور کے علماء پر نمایاں امتیاز حاصل تھا۔ بارہویں صدی ہجری کے ایک ملنے ہوئے اہل اللہ مرزا مظہر جانجاناں شہید آپ کے متعلق فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے مجھے روئے زمین کی ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح سیر کرائی، میں نے اپنے دور میں شاہ ولی اللہ صاحب جیسا کسی کو نہیں پایا" شاہ صاحبؒ نے اپنی تعلیمات اور علمی تصانیف کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمت سرانجام فرمائی جسے کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ موصوف ایک ہی وقت میں اپنی صدی کے مجدد، اسلام کے عظیم مفکر، جید محدث، مفسر، حکیم اور ربانی عالم تھے، آپ نے شریعت، طریقت، فلسفہ، تصوف اور جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں نئے انداز اور حکیمانہ طرز پر کلام فرما کر بعد میں آنے والوں کے لئے سوچنے کی نئی راہیں کھول دیں۔

ٹھیک اسی دور میں سرزمین سندھ بھی علم اور عرفان کا گہوارہ تھی۔ یہاں مخدوم ابوالقاسم نقشبندی، شاہ عبداللطیف تارک بھٹائی، مخدوم محمد معین ٹھٹوی، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی اور خواجہ محمد زمان لواری والہ وغیرہم جیسے اولیاء اور برگزیدہ علماء موجود تھے جن کے فیوضات دور دراز ممالک تک پہنچ چکے تھے یہاں قدرتاً یہ سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا بارہویں صدی کے اس علمی دور میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سندھ کے افاضل

سے علمی اور روحانی روابط تھے؟

اس سلسلے میں ہمیں تین سندھی جلیل القدر فضلاء کے اسمائے گرامی ملتے ہیں، جن کے ساتھ شاہ صاحبؒ کا براہ راست علمی تعلق رہا ہے۔ ان تین بزرگوں میں سے ایک تو شیخ القرا محمد فاضل سندھی ہیں جو کہ شاہ صاحبؒ کے فن قرآت میں استاد ہیں۔ دوسرے مخدوم محمد معین ٹھٹوی صاحب "الدراسات" ہیں جنہیں شاہ صاحب موصوف سے علم حدیث کی اجازت عطا ہوئی۔ اور تیسرے بزرگ محمد شریف بن خیر اللہ سندھی ہیں جنہوں نے شاہ صاحبؒ سے باطنی فیوضات کی سند اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

شیخ القراء محمد فاضل سندھی سندھ میں کہاں پیدا ہوئے کہاں ان کی سکونت تھی وہ کیسے دہلی گئے اور کب گئے۔ ان تمام سوالوں کے متعلق یہاں کے جملہ تذکرے خاموش ہیں "نزہتہ الخواطر" جو کہ اس صدی کی تصنیف ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عالم مجود (تجوید کے ماہر) محمد فاضل سندھی دہلی میں شیخ القرا تھے۔ شیخ عبدالخالق دہلوی سے بروایت امام حفص قرآن پڑھا اور آپ سے شاہ ولی اللہ اور دوسرے بہت سے لوگوں نے فیض پایا[1]۔ شاہ صاحبؒ خود بھی قرآن پاک کے فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

قال العبد الضعیف ولی اللہ بن عبدالرحیم عفی عنہ قرأت القرآن کلہ من اولہ الی آخرہ بروایتہ حفص عن عاصم علی الصالح الثقتہ حاجی محمد فاضل السندی سنہ ۱۱۵۴ھ قال تلوتہ الی آخرہ بروایتہ حفص علی الشیخ عبدالخالق شیخ القراء بمحروستہ دھلی[2]

(اللہ پاک کا) کمزور بندہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عفی عنہ کہتا ہے کہ میں نے قرآن کو اوّل سے آخر تک بروایت حفص عن عاصم، صالح ثقہ حاجی محمد فاضل سندھی سے سنہ ۱۱۵۴ھ میں پڑھا اور انہوں نے کہا کہ میں نے اس کو اوّل سے آخر تک بروایت حفص دار السلطنت دہلی کے شیخ القرا شیخ عبدالخالق سے پڑھا۔

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۳۱۲

[2] مقدمہ فتح الرحمٰن فارسی

دوسرے سندھی عالم مخدوم محمد معین سندھی ہیں جن سے شاہ صاحبؒ کا براہ راست علمی تعلق رہا ہے۔ اس بزرگ عالم کے فضل و کمال کی جتنی تعریف کی جائے کم ہوگی۔ موصوف علم حدیث کے بحر بے کنار، عربی ادب کے شہسوار اور علم کلام کے یکتائے روزگار تھے، فلسفہ میں آپ کے زور قلم کا یہ عالم ہے کہ آپ کے طرز تحریر میں ملا صدرا کی مشہور عالم کتاب "اسفار اربعہ" جیسی روانی پائی جاتی ہے۔ سندھ کے مشہور مورخ میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے آپ کے متعلق اپنے تاثرات کا اس طرح اظہار فرمایا ہے۔

> مخدوم محمد معین شاگرد مخدوم عنایت اللہ مذکور راست، خدا تعالیٰ آں ذات حمیدہ صفات را در زمان خود جامع جمیع فنون کمال آفریدہ، در منقول و معقول نحریر عصر و علامہ دہر شد با وجود آں کمالات علمی آشنا شدہ بباہزرگ دین راصحبت کرد میاں ابوالقاسم نقشبندی کہ مذکور شد ارادت اتم یافت و در اواخر ایام بجناب کرامت نصاب سید عبداللطیف تارک لقب بوضع یارانہ وارادتمندانہ جوشیدہ[1]

مخدوم محمد معینؒ شاہ صاحب سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ مخدوم صاحب کی ولادت سنہ ۱۰۹۳ھ میں ہوئی[2] اور وفات سنہ ۱۱۶۳ھ میں۔ شاہ صاحب کا سن ولادت سنہ ۱۱۱۴ھ اور سن وفات سنہ ۱۱۷۶ھ ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ مخدوم صاحب کا شاہ صاحب سے تلمذ صرف اجازتِ حدیث کی حد تک ہے، باقی انہوں نے شاہ صاحب سے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔

عربی کے مختلف علوم و فنون کے متعلق بالعموم یہ دستور رہا ہے کہ علماء مستند اور مشہور کتب کے مصنفین تک اپنا اسناد اور روایت کا سلسلہ محفوظ رکھتے آئے ہیں، علم حدیث میں تو اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس ضمن میں اثبات اور اسانید کی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس اجازت میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جن کتابوں کی

---

[1] تحفۃ الکرام فارسی ج ۳ ص ۲۲۹

[2] ایک قلمی بیاض سے جو کہ فضلائے سندھ کے مادہ ہائے تاریخ کا ایک مجموعہ ہے مخدوم صاحب کی یہ تاریخ ولادت ہمیں دستیاب ہوئی ہے اور یہ اس مصرعہ سے نکلتی ہے :- "مخدوم عالم محمد معین" لطف یہ ہے کہ اس معروف شخصیت کی تاریخ ولادت کے متعلق ان کے کسی بھی سوانح نگار نے کچھ نہیں لکھا۔

روایت کی اگر کسی بزرگ عالم سے اجازت لی جائے تو وہ کتابیں ان سے پڑھی بھی جائیں چنانچہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک متبحر عالم ہے جس کا اپنی علمی اسانید کا سلسلہ ثقات اساتذہ کے ذریعہ اوپر جاتا ہے تو وہ اپنے جیسے کسی دوسرے بزرگ عالم کو اپنی مرویات کی روایت کرنے کی اجازت دے دیتا ہے پھر یہ اجازت بالمشافہ بھی دی جاتی ہے اور غائبانہ بھی۔ مخدوم محمد معین صاحب کو شاہ صاحب سے اسی قسم کی اجازت حاصل ہوئی اس ملاقات میں مخدوم صاحب نے جو کہ نہایت ہی منکسر المزاج اور صوفی بزرگ تھے، شاہ ولی اللہ صاحب سے کتب احادیث اور دوسرے علوم کی روایت کی اجازت حاصل کی۔ باقی یہ ملاقات کہاں ہوئی اور کب ہوئی۔ اس کے متعلق خیال آرائیوں کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ملتا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں مخدوم محمد معین صاحب کی اپنی تصریحات پیش کی جائیں

فقیر کتب ستہ احادیث و معاجم و کتب علم کلام و کتب علم اصول و کتب علم ادب و کتب شریفہ علم شریف تصوف بسند متصل الی المصنفین حتی الکافیۃ فی النحو بسندھا المتصل الی ابن حاجب از دو شیخ روایت میکنم یکے قدوۃ العلماء الراسخین فی وقتہ شیخ عبدالقادر مفتی المکۃ باجازتہ الخاصۃ لی بروایتہا بجمیع مافی فہرست الجامع الصحیح مرویاتہ۔

یہ فقیر صحاح ستہ، معاجم، علم کلام، علم اصول، علم ادب اور علم شریف تصوف کی کتابوں کی ان کے مصنفوں تک (یہاں تک کہ نحو کی کتاب کافیہ کی اس کے مصنف ابن حاجب تک) دو شیوخ سے روایت کرتا ہے ایک اپنے دور کے علمائے راسخین کے پیشوا شیخ عبدالقادر مفتی مکہ سے جنہوں نے جامع صحیح کی فہرست کی جملہ مرویات کی مجھے مخصوص اجازت مرحمت فرمائی۔

دیگر شیخ رفیع القدر شیخ ابو طاہر بن شیخ ابراہیم الکردی المدنی باجازۃ لی بروایتہا لجمیع مافی فہرس ابیہ الجامع لجمیع ما یجوز لہ روایتہ۔

دوسرے شیخ رفیع القدر شیخ ابو طاہر بن شیخ ابراہیم الکردی المدنی، انہوں نے بھی اپنے باپ کے ثبت کے جملہ طرق کی اجازت عطا فرمائی۔

شیخ سوم کہ اجازت حدیث باین فقیر

تیسرے شیخ جنہوں نے اس فقیر کو حدیث کی

دادہ قدوۃ المشائخ فی بلدنا فیض بن العارف والقطب فی وقتہ الشیخ آدم تتوی کہ این شیخ کریم اجازت از شیخ حسن عجیمی دارد کہ از عمدہ مشائخ حضرت شیخ عبدالقادر مذکور است، اسانید این ہر دو شیخ از شیخ عجیمی بالاتر می رود۔ با آنکہ شیخ عبدالقادر از مشائخ بسیار دیگر ہم روایت دارد۔ شیخ چہارم کہ این فقیر اجازت از ایشان دارد حضرت عارف بن عارف الکاشف المشاھد شیخ اجل زکی اللہ سرہندی است قدس سرہٗ۔

اجازت عنایت فرمائی ہمارے ملک کے مشائخ کے پیشوا شیخ فیض بن عارف وقطب وقت شیخ آدم تتوی ہیں یہ شیخ شیخ حسن عجیمی سے اجازت رکھتے ہیں شیخ عجیمی شیخ عبدالقادر مکی کے بڑے مشائخ میں سے ہیں ان دونوں بزرگوں کی اسانید کا سلسلہ بواسطہ شیخ عجیمی اوپر جاتا ہے شیخ عبدالقادر دوسرے کئی مشائخ سے بھی روایت کرتے ہیں چوتھا شیخ جس سے یہ فقیر اجازت رکھتا ہے حضرت عارف بن عارف صاحب کشف ومشاہدات شیخ اجلّ زکی اللہ سرہندی قدس سرہٗ ہیں۔

اپنے سلسلۂ روایت کے ان چار اکابر شیوخ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:۔

شیخ پنجم کہ فقیر اجازت از ایشان دارد حضرت ولی الوقت حضرت میاں ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم است

پانچواں شیخ جس سے یہ فقیر اجازت رکھتا ہے حضرت ولی وقت حضرت میاں ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم ہیں۔

مذکورہ عبارت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچوں اکابر علماء سے مخدوم محمد معین کو اجازت عطا ہوئی ہے، لیکن ان شیوخ سے یہ اجازت بالمشافہ (رو برو ملاقات میں) ملی یا خط وکتابت کے ذریعہ اور خاص طور پر شاہ ولی اللہ صاحب کے معاملے میں تو یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مخدوم محمد معین تتوی کے ناقدوں نے مخدوم صاحب کی تالیف "دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب" کی اس عبارت کو (جس میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک ملاقات میں مخدوم محمد معین کو ان کی تحقیق میں منفرد قرار دیا ہے) غلط بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ سندھ سے باہر ہی نہیں گئے۔ اس لئے پھر یہ تحسین کیسے ہوسکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن یہ ناقدوں کی بے انصافی اور ہٹ دھرمی ہے، مخدوم عبداللطیف ٹھٹوی "ذب ذبابات الدراسات" کے مصنف مخدوم محمد معین سے بہت چھوٹے ہیں خود مخدوم عبداللطیف کے والد بزرگوار مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی مخدوم محمد معین سے عمر میں چھوٹے ہیں اور آپ ان سے مستفید ہوئے ہیں، جس کا اعتراف انہوں نے اپنے ان رسائل میں کیا ہے، جو انہوں نے اپنے شیخ مخدوم محمد معین سے اختلاف کرتے ہوئے ردّ میں بطور استفسار لکھے ہیں ان حالات میں اس طرح کی تکذیب نامناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ معاصرین میں سے مخدوم محمد معین صاحب کی کتاب "دراسات" کی مذکورہ عبارت کی کسی نے تکذیب نہیں کی۔ اس سلسلے میں ہم یہاں مخدوم محمد معین کے قلمی رسائل سے شاہ ولی اللہ کے ساتھ ان کی ملاقات کے متعلق تصریح پیش کرتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں۔

سواء دو شیخ اول کہ از ایشاں اجازت بالمکاتبہ است ازیں سہ شیخ اجازت بالمشافہ ومن الاثنین منھم بالمکاتبۃ ایضا حاصل دارد رحم اللہ الکل برحمتہ واسعتہ وزاد فی عمر الخامس ونورنا بنورہ	پہلے دو شیوخ کے علاوہ جن سے اجازت خط وکتابت کے ذریعہ ملی ہے باقی تینوں شیوخ سے ملاقات میں اجازت ملی ہے اور ان میں دو سے اجازت بالمکاتبۃ بھی حاصل ہے اللہ سب پر رحم فرمائے۔ اور پانچویں (شاہ ولی اللہ) کی عمر بڑھائے اور اس کے نور سے ہمیں منور فرمائے۔

آگے چل کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے سلسلے کے متعلق ایک لطیفہ بھی ذکر فرماتے ہیں:۔

از عجائب اتفاقات آنکہ سلسلہ حضرت میاں شاہ ولی اللہ وسلسلہ حضرت میاں زکی اللہ بحضرت قطب الاقطاب مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ می رسد ومن نعماء اللہ الھنیتہ	یہ عجیب اتفاق ہے کہ میاں شاہ ولی اللہ اور حضرت میاں زکی اللہ دونوں کا سلسلہ حضرت قطب الاقطاب مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ یہ اللہ پاک کی مبارک نعمتوں میں ایک نعمت ہے۔

اس وضاحت کے بعد تو میرے خیال میں ایک منصف اور محقق کے لئے مخدوم محمد معین صاحب کی شاہ ولی اللہ صاحب کے ساتھ ملاقات میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ ان روایات کے شیوخ اسانید کا ذکر کرنے کے لئے تو ایک پوری کتاب چاہیئے۔ یہاں تبرک کے طور پر صرف دو متصل سندیں لکھی جاتی ہیں۔ ان دو میں سے سند اول حضرت شاہ ولی اللہ کے طریقہ کی ہے اور دوسری شیخ زکی اللہ کے طریقہ کی ہم یہاں پہلے طریقہ کی سند کو ان کے لفظوں میں پیش کرتے ہیں کیونکہ اس میں "ابنانی" (مجھے خبر دی) کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ ملاقات کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

ابنانی وانا الفقیر محمد الملقب بالمعین	مجھ فقیر المسمّی محمد الملقب معین بن
ابن محمد الملقب بالامین ستر اللہ	محمد الملقب امین کو (اللہ دونوں کے عیب
عیوبہما وغفر ذنوبہما۔ ولی اللہ بن	کو ڈھانکے) ولی اللہ بن عبد الرحیم نے (اللہ
عبد الرحیم عاملہما اللہ بلطفہ	دونوں کو اپنے لطفِ عظیم سے نوازے) خبر دی
الجسیم قال: سمعت الحدیث المسلسل	اور فرمایا کہ میں نے حدیث مسلسل باوّلیت کو
بالاولیۃ من الثقۃ الثبت حاجی	ثقہ و ثبت حاجی محمد افضل سے سنا اور انہوں نے
محمد افضل قال سمعتہ عن الشیخ	بتایا کہ میں نے اسے شیخ عبدالاحد سے سنا اور
عبد الأحد قال سمعتہ عن ابی	انہوں نے بتایا کہ میں نے اسے اپنے باپ شیخ محمد سعید
الشیخ محمد سعید قال سمعتہ عن	سے سنا اور انہوں نے بتایا کہ میں نے اسے اپنے والد
ابی الشیخ احمد السرہندی رضی اللہ عنہ	شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ سے سنا۔
ح وسمعتہ من حاجی محمد افضل	اس روایت کا ایک دوسرا طریقہ سند یہ ہے کہ میں نے
قال سمعتہ من الشیخ عبد اللہ	حاجی محمد افضل سے سنا انہوں نے بتایا کہ میں نے
المکی البصری بسندہ المذکور	شیخ عبداللہ المکی البصری سے سنا، اس سند سے
فی مسندہ۔ [لہ]	جو اُن کی مسند میں مذکور ہے۔

لہ مجموعہ رسائل مخدوم معین (قلمی) کتب خانہ قاضی محمد مراد سیوہانی۔